www.novelsclubb.com
کرے کون مداوا
از قلم سنبل توصیف
Pdf available at
www novelsclubb com
FB INSTA
novelsclubb

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

کرے کون مداوا

از

سنبل توصیف

www.novelsclubb.com

یہ شہر کا ایک مشہور نجی کالج تھا۔ جہاں زیادہ تر امیر گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لڑکے زیر تعلیم تھے۔ معمول کی طرح آج بھی تمام اساتذہ اپنے اپنے کمرۂ جماعت میں لیکچر دے رہے تھے۔ دوسری جانب چند طلباء ہی پوری دلجمعی کے ساتھ پڑھتے دکھائی دے رہے تھے شاید اس لیے کہ وہ میرٹ اور اسکالرشپ پر تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ باقی کے تو بس اپنے خاص مشاغل میں مصروف تھے کیونکہ وہ اس سب کیلئے بھاری فیس ادا کرتے تھے۔

یہ منظر بھی ان میں سے ایک کمرۂ جماعت کا تھا جہاں اس وقت ریاضی کا پیریڈ چل رہا تھا اور پروفیسر ذوہیب تختہ سفید پر سوالوں کو حل کر کے انہماک سے سمجھا رہا تھے کہ ہر تھوڑی دیر بعد سرگوشی نما آوازیں بلند ہوتیں۔ جو پروفیسر ذوہیب کو بار بار پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر رہی تھیں اور لیکچر میں خلل ڈال رہی تھیں۔ انہوں نے لیکچر روک کر دیکھا تو دو لڑکے آخری قطار میں بیٹھے موبائل استعمال کرتے نظر

آئے۔کچھ دیر تو ان دونوں کو گھورتے رہے مگر وہ تو جیسے دنیا سے بالکل ہی کٹے ہوئے تھے۔بالآخر پروفیسر صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو انہوں نے ان طلباء کو غصے سے پکارا : "آپ دونوں کھڑے ہو جائیں۔"

کمرۂ جماعت میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ان دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اپنی جگہ ڈھٹائی سے بیٹھے رہے۔جسے دیکھ کر پروفیسر صاحب مزید آگ بگولہ ہوئے : "آپ دونوں کو سنا دیا نہیں دیا؟ کھڑے ہو جائیں۔"

وہ دونوں پروفیسر کو گھورتے ہوئے احسان کرنے والے انداز میں کھڑے ہو گئے۔

پروفیسر صاحب ان دونوں سے مخاطب ہوئے : "جی جناب۔ایسا کون سا مسئلہ درپیش ہے آپ دونوں کو، جو لیکچر ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں فرما سکتے تھے؟"

پروفیسر ذوہیب کے الفاظ دونوں کو ہی بری طرح چبھے۔اس سے پہلے کب کسی نے ان سے یوں سوال کیے تھے اور نہ ہی انہیں اپنے مشغلوں میں کسی کا بھی دخل اندازی کرنا پسند تھا۔ان سے تو آج تک ان کے باپ نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا

تو یہ دو ٹکے کا پروفیسر کون ہوتا تھا جو ان سے یوں باز پرس کرے۔ان دونوں کو خاموش پا کر پروفیسر صاحب مزید گویا ہوئے : "میں آپ دونوں سے بات کر رہا ہوں دیواروں سے نہیں۔جواب دیں کہ آپ کیا کر رہے تھے؟"

بالآخر دونوں میں سے ایک نے بولنے کا تکلف کیا : "تجھے اس سب سے کیا؟تو بس اپنے کام پر دھیان دے جس کے تجھے پیسے ملتے ہیں۔"

اس کے یوں اس قدر بدتمیزی سے جواب دینے پر پروفیسر صاحب ششدر رہ گئے کہ بھلا ایک طالب علم اپنے استاد کے ساتھ یوں بھی مخاطب ہوتا ہے۔اس بات نے پروفیسر صاحب کو مزید تیش دلایا : "تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی کسی نے؟ جاؤ۔نکل جاؤ یہاں سے اور ایک ہفتے کیلئے مجھے یہاں نظر مت آنا۔"

پروفیسر صاحب کی بات پر وہ لڑکا غصے سے کھولتا ہوا اپنا بیگ اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھا۔اور پروفیسر صاحب کے پاس ذرا دیر ٹھہر کر دھمکی دی : "تجھے عنقریب اپنی پروفیسر گری بہت مہنگی پڑھنے والی ہے۔بس دیکھتا رہ کہ میں تیرے

ساتھ کیا کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ کرسی کو ٹھوکر مارتا ہوا چلتا بنا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرا لڑکا بھی اس کے پیچھے لپکا۔ ان دونوں کے باہر نکلتے ہی پروفیسر صاحب نے نخوت سے سر جھٹکا اور اپنا دھیان لیکچر کی جانب کیا۔

دونوں لڑکوں نے باہر نکلتے ہی کالج کے پچھلے دروازے کی جانب رخ کیا۔ ویسے تو یہ جگہ گاڑی اور موٹر سائیکل وغیرہ کھڑی کرنے کیلیئے استعمال ہوتی تھی۔ مگر کچھ طلباء یہاں پر سگریٹ نوشی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ اور انھیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کیونکہ یہ ان سب کاموں کیلیئے بھاری فیسیں جمع کرواتے تھے۔ انتظامیہ کو بس پیسے سے مطلب تھا۔ باقی وہ کیا کرتے پھرتے تھے اس بات سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ کہنے کو تو رمضان کا بابرکت مہینہ چل رہا تھا مگر یہاں پرواہ کسے تھی۔ شیطان تو قید ہو چکا تھا مگر اس کے چیلے پوری دلجمعی کے ساتھ شیطان کو خوش کرنے میں لگے تھے۔

یہ پروفیسر نے بالکل اچھا نہیں کیا۔آج تک کسی کی جرأت نہیں ہوئی مجھ سے ایسے بات کرنے کی اور اس کی ہمت تو دیکھ۔" ان میں سے ایک جس کا نام ارحم تھا، غصے سے پھنکارا۔

جگر تُو غصہ نہ کر۔یہ لے یہ سگریٹ پی۔اور دیکھ لیں گے اس کو بھی۔نیا آیا ہے نا ابھی۔اس لیے جانتا نہیں ہے کہ اس نے پنگا کس سے لیا ہے۔ایسا مزہ چکھائیں گے کہ یاد کرے گا۔" پہلاج نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

ویسے تُو کرے گا کیا۔" ارحم نے پوچھا۔

شش۔اپنا کان ادھر لا۔بتاتا ہوں تجھے۔" پہلاج نے رازداری سے کہا۔

پہلاج کے اس طرح کہنے پر ارحم اس کے قریب ہوا تو اس نے اپنا پلان بتایا۔جسے سن کر ارحم کمینگی سے مسکرا دیا۔

رات کا وقت تھا۔اس گھر کے تمام مکین نماز تراویح کی ادائیگی کے بعد اپنے اپنے کمروں میں محو استراحت تھے۔ان سب میں پروفیسر ذوہیب بھی تھے جو اپنا صبح کو دیا جانے والا لیکچر تیار کر رہے تھے۔

سنیں ! "۔ان کی بیوی ندا نے مخاطب کیا۔"

ہمم۔بولو۔"انہوں نے جواب دیا۔"

میں سوچ رہی تھی کہ عید آنے والی ہے تو زریاب کیلیئے کپڑے وغیرہ خرید "لیں۔ماشاءاللہ سے ہمارے بیٹے کی پہلی عید ہے۔

ہاں۔ہاں۔کیوں نہیں۔اس اتوار کو بازار چلتے ہیں اور زریاب کے ساتھ ساتھ " اپنے لیے بھی کچھ خرید لینا۔"بیوی کی بات سن کر ذوہیب بھی مسکرا دیے۔

جی ٹھیک ہے۔"ندا بھی خوش ہو کر سونے کی تیاری کرنے لگی کہ سحری بھی " بنانی تھی۔

ذوہیب کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ان کے والد کی برقی آلات کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جس سے گزربسر اچھی نہیں تھی تو بری بھی نہیں تھی۔ ذوہیب کی ایک ہی بہن تھی ضحیٰ، جو بی ایس آنرز کی طالبہ تھی۔انہوں نے ریاضی میں ماسٹر کیا تھا اور کالج میں نوکری کرنے سے پہلے ایک سکول میں پڑھاتے تھے۔ اسی دوران ان کی شادی اپنی خالہ زاد ندا سے ہو گئی۔شادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد انھیں ایک پرائیویٹ کالج میں بطور لیکچرار نوکری مل گئی۔بلاشبہ ندا ایک صابر بیوی اور بہو تھی جس نے کبھی بھی کوئی شکوہ نہ کیا۔رمضان سے ایک ماہ پہلے ذوہیب کے ہاں ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔جس نام زریاب رکھا گیا۔سب بہت خوش تھے کہ قسمت ان پر مہربان ہو گئی ہے مگر کون جانے کہ یہ خوشیوں کا دورانیہ کتنا تھوڑا تھا۔آنے والے وقت سے بے خبر سب ہی مستقبل کے خواب بُننے میں میں لگے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے اتوار کا دن بھی آ پہنچا۔ سحری اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سب سو کر اٹھے تو معمولات زندگی نپٹانے میں مشغول ہو گئے۔

ندا کمرے میں داخل ہوئی تو ذوہیب کو تیار ہوتے پایا۔ تو سمجھ گئی کہ کام پر جا رہے ہیں۔ انہوں نے اسے پکارا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

آج دوپہر کے بعد تیار رہنا۔ بازار چلیں گے۔" انہوں نے بتایا تو ندا نے اثبات " میں سر ہلا کر جواب دیا اور زریاب کو دودھ پلانے لگ گئی۔ اگر وہ جان جاتی کہ یہ دوپہر کیسی قیامت برپا کرنے والی تھی تو وہ وقت کو یہی روک دیتی مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد ذوہیب اپنے والد کے ساتھ ان کی دکان پر چلے گئے۔ کالج سے آنے کے بعد ذوہیب دکان بھی سنبھالتے تھے تاکہ ان کے والد کو آرام مل سکے۔

----

www.novelsclubb.com

دن کے دس بج رہے تھے۔ جہاں بہت سے لوگ صبح سویرے اپنے اپنے کاموں کی جانب چل دیے تھے، وہیں پر ایک وجود دنیا و مافیا سے بے خبر خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔اس کی نیند میں خلل موبائل کی چنگاڑتی آواز نے ڈالا۔ جس کی آواز سن کر اس کے منہ کے زاویے بگڑے۔کچھ دیر تو وہ موبائل کے بند ہونے کا انتظار کرتا رہا مگر سامنے والا بھی مستقل مزاج تھا۔ تو مجبوراً اسے موبائل اٹھا کر دیکھنا پڑا۔نام پر نظر پڑتے ہی وہ سیدھا ہو بیٹھا۔پھر کال اٹینڈ کر کے کان سے لگایا۔

ہاں۔پہلاج ! کیسا ہے تُو؟ خیریت اتنی صبح کال کی تُو نے؟" ارحم نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

www.novelsclubb.com

ہاں۔سب ٹھیک ہے۔بس تجھے ایک خوشخبری سنانی تھی۔" پہلاج نے کہا۔"

کیسی خوشخبری؟" اسے تجسس ہوا۔"

ارے جگر۔اس پروفیسر کے بارے میں سب پتا کر لیا ہے میں نے۔بس تُو تیار رہ۔میں تجھے لینے آرہا ہوں۔" پہلاج اسے سب بتانے کے بعد پر جوش ہوا۔

سُن۔ کیا ایسا کرنا ٹھیک رہے گا؟ ہم پکڑے نہ جائیں کہیں۔" ارحم نے اپنا ڈر "

ظاہر کیا۔

اوہ ہو۔ کچھ نہیں ہو گا۔ اس ملک میں پہلے کوئی پکڑا گیا ہے جو اب ایسا ہو گا۔ "

سب پیسے کا کھیل ہے جگر۔" پہلاج نے مکروہ قہقہہ لگایا جس کا ساتھ ارحم نے بھی

دیا۔ اس کی بات سن کر ارحم کا ڈر بھی کہیں دور جا سویا تھا۔ کال منقطع کرنے کے

بعد وہ تیار ہونے چل پڑا۔

دکان پر معمول سے ذرا کم ہی رش تھا۔ ذوہیب دکان کی ترتیب سیٹ کر رہے تھے۔

کچھ دیر میں ایک گاہک آیا تو اس کی مطلوبہ شے نکال کر اس کو دی اور پیسوں کا

حساب کتاب کرنے لگ گئے۔

اسی اثناء میں دکان کے باہر ایک موٹر سائیکل آر کی جس پر دو نوجوان سوار تھے۔ ان

دونوں نے اپنے چہرے رومال سے ڈھانپ رکھے تھے تاکہ شناخت نہ ہو سکے۔ ان

میں سے ایک نے فوراً سے دکان میں گھس کر آناً فاناً گولیوں سے بھرا پستول
ذوہیب پر فائرنگ کر کے خالی کر دیا۔ جتنی دیر میں کوئی کچھ سمجھتا، وہ دونوں ہی
موٹر سائیکل پر فرار ہو گئے۔ پیچھے رہ جانے والوں میں بوڑھے باپ کی چیخ و پکار اور
پروفیسر ذوہیب کی لاش پڑی رہ گئی۔ ہاں لاش۔ کیونکہ وہ موقع پر ہی دم توڑ گئے
تھے۔ ارد گرد لوگوں کا جم گھٹا لگنا شروع ہو گیا۔ کسی نے موبائل سے ویڈیو بنانی
چاہی تو کوئی معاملہ کی سُن گُن لینے میں لگ گیا۔ کسی کو بھی بوڑھے باپ اور اس کے
سامنے پڑی جوان بیٹے کی لاش سے کوئی سروکار نہ تھا۔ پھر کسی اللہ کے بندے نے
ایمبولینس کو فون کر کے یہاں پہنچنے کی اطلاع دی۔

www.novelsclubb.com

ضحیٰ۔ ندا۔ "ذوہیب کی والدہ قرآن پاک کی تلاوت کر کے ابھی فارغ ہی ہوئی"
تھیں کہ ان کا دل بہت بری طرح گھبرایا۔

کیا ہوا امی؟"۔ "خالہ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" دونوں بیک وقت بولیں۔"

میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔" بولتے بولتے ان کا سانس پھول رہا تھا اور رنگت بھی زرد پڑ رہی تھی۔

"اسی لیے کہتی ہوں امی کہ آپ روزہ مت رکھا کریں۔اب دیکھ لیں نتیجہ۔" ضحیٰ فوراً ان کے پاس بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگ گئی۔

"چپ کرو ضحیٰ۔دیکھ نہیں رہی تم کہ ان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔میں ذوہیب کو فون کرتی ہوں ابھی۔" ندا نے اسے ٹوک کر کمرے کی جانب قدم بڑھائے تاکہ موبائل لا سکے۔ابھی وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ زریاب کے رونے کی آواز کے ساتھ ساتھ گھر کا گیٹ بھی دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"یااللہ خیر۔" اب کے اس کا دل بھی لرزا۔ضحیٰ کو زریاب اور امی کو دیکھنے کا کہتی وہ گیٹ کی جانب بڑھی۔گیٹ کھولنے پر محلے کے کافی لوگ کھڑے نظر آئے۔جن میں کچھ خواتین بھی شامل تھیں۔انہیں دیکھ کر جانے کیوں اس کی چھٹی حس کچھ برا ہونے کی گواہی دینے لگی۔

www.novelsclubb.com

کیا ہوا انکل ؟سب خیریت ہے نا؟" ندا نے گھبرا کر پوچھا۔ "

"بیٹا۔کچھ بھی خیریت نہیں ہے۔ذوہیب کو کسی نے فائر نگ کر کے قتل کر دیا ہے۔" اسے لگا کہ اس کی سماعتوں کو کوئی دھوکا ہوا ہے۔

"انکل ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ بے یقین ہوئی۔ اس کے دل و دماغ یہ سب ماننے سے انکاری تھے۔ابھی کچھ دیر پہلے تک تو سب ٹھیک تھا۔مگر حقیقت جھٹلانے سے کب بدلی ہے۔

"بیٹی حوصلہ رکھو۔یہی سچ ہے۔" انہوں نے دکھ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنی بیوی کو اشارہ کیا تا کہ وہ گھر کی باقی خواتین کو بھی سنبھال لیں۔

ان کی بات نے اس پر سکتہ طاری کر دیا۔کچھ ہی دیر میں گھر میں کہرام برپا ہو گیا تھا۔ پولیس کی کاروائی مکمل ہوتے ہی میت کو لواحقین کے حوالے کر دیا گیا۔پولیس کے مطابق یہ قتل ڈکیتی کے دوران مجرموں سے مزاحمت کی وجہ سے ہوا تھا۔مگر اس ڈکیتی میں نہ تو کوئی موبائل چھینا گیا تھا اور نہ ہی دکان کا کوئی سامان وغیرہ چوری ہوا

تھا۔معاملہ صاف نظر آتا تھا کہ وہ لوگ صرف قتل کے ارادے سے ہی آئے تھے۔بظاہر تو مجرموں کی تلاش جاری تھی مگر در حقیقت ایسا کچھ نہ تھا۔سب جگہ پیسے نے منہ بند کروا دیے تھے۔پھر چاہے موقع پر موجود گواہان ہوں یا سی ٹی وی فوٹیج والے۔سب کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان پیاری تھی۔اسی لیے "ایک چُپ سو سکھ" والے مقعولے پر عمل درآمد کیا گیا تھا۔باقی جن کا پیارا جان سے گیا ہے وہ جانیں۔دوسروں کو ان سب سے کیا لینا دینا۔اس کیس کا کیا بنا؟ کچھ دن خبروں کی زینت بنا رہا۔لوگوں نے اظہار افسوس کیا۔اس کے بعد سب بھول بھال کر اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے۔یہی ہوتا آیا ہے اب تک اور ہوتے رہے گا۔

مقتول کے لواحقین چونکہ عام لوگ تھے اور اثر ورسوخ بھی نہ رکھتے تھے۔اسی لیے باقی رہ جانے والی زندگیوں کو بچانے کیلئے یہی فیصلہ کیا گیا کہ وہ اپنا معاملہ اللہ کی

www.novelsclubb.com

عدالت میں پیش کر دیں۔ کیونکہ جانے والا تو چلا گیا تھا اپنے پیچھے پانچ زندہ لاشیں چھوڑ کر۔

یہ غم تو مرتے دم تک انہیں یاد رہے گا۔ان کے دکھ کا مداوا کون کرے گا۔سب سے زیادہ نقصان تو اس معصوم بچے کے حصے میں آیا ہے۔کیونکہ باپ تو دور حاضر کے یزیدوں نے چھین ہی لیا ہے۔پھر کچھ ہی عرصے بعد بیوہ کی عدت مکمل ہوتے ہی اس پر دوسری شادی کا دباؤ ڈالا جائے گا کہ تم ابھی جوان ہو۔یہ عمر کیسے کٹے گی۔ بچے کو باپ کا پیار کیسے دو گی وغیرہ وغیرہ۔ان باتوں کی بناء پر اس کو اتنا مجبور کیا جائے گا کہ اس کو یہ سب کرنا پڑے گا۔پھر ہو گا کیا؟دوسرا شوہر بیوی کی پہلی اولاد کو قبول نہیں کرے گا۔اور یوں وہ بچہ باپ کے ساتھ ساتھ ماں سے بھی محروم ہو جائے گا۔یہ ہمارے نام نہاد معاشرے کی ایک تلخ حقیقت ہے جس سے ہم چاہنے کے باوجود ہم نظریں نہیں چرا سکتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

www.novelsclubb.com

افسوس صد افسوس ! یہ سانحہ ہمارے ملک میں ماہِ رمضان میں پیش آیا۔ان مرحوم پروفیسر کا جرم بس اتنا تھا کہ انہوں نے دورِ حاضر کے جوان سپوتوں کو موبائل استعمال کرنے پر سرزنش کی تھی۔ جس کی بناءان کی سانسیں چھین لی گئیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔آج کل جو دور جا رہا ہے اس میں موجودہ نسل سے ادب واحترام ختم ہوتا جا رہا ہے۔پھر چاہے والدین ہوں،اساتذہ ہوں یا کوئی بھی۔ اب وہ دور نہیں رہا جب محلے کا کوئی بزرگ بھی بچے کو ڈانٹتا تھا تو وہ بچہ حتیٰ کہ والدین بھی اس معاملے میں خاموش رہتے تھے کہ بڑوں کا احترام لازم ہوتا تھا اور ان کی بات حرفِ آخر ہوتی تھی۔ مگر اب تو آپ بحیثیتِ استاد بھی بچوں کو کچھ کہہ دیں تو والدین فوراً آپ سے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں کہ آپ کی جرأت کیسے ہوئی ایسا کرنے کی۔ پھر یہی والدین ہوتے ہیں جن کی اولاد ان سے ادب واحترام سے پیش نہیں آتی کیونکہ انہوں نے اپنی اولاد کو یہ سب کبھی سکھایا ہی نہیں۔الٹا ان کی ہر بات پر ان کو شے دی ہے۔تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ والدین سے بھی حسن

سلوک سے پیش آئیں گے۔ذرا سوچیے کہ ہمارا معاشرہ کس طرح بے راہ روی کا شکار ہو کر تباہی کے راستے کی جانب گامزن ہے۔

یہ غم کھاتا چلا جاتا ہے مجھ کو

مجھے اس خوف سے فرصت نہیں

ہے

کہیں برکت نہ اٹھ جائے وہاں سے

جہاں استاد کی عزت نہیں ہے

(انور)

_______________ختم شد______________

www.novelsclubb.com